اسلامی انقلابِ ایران، انقلابِ روس اور فرانس کا تقابلی جائزہ

قمر عباس نانجی

خلاصہ

اس تحقیق میں ابتدائی طور پر انقلاب کی تعریف کی گئی ہے اور اسکے بعد کسی بھی انقلاب کی پیمائش کے لئے چند اہم معیارات بیان ہوئے ہیں، اور ساتھ ہی ان معیارات کی روشنی میں ان تینوں انقلاب (یعنی فرانس، روس اور اسلامی انقلابِ ایران) پر تجزیہ اور تحلیل کیا گیا ہے اور اس بنیادی سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ ان تینوں انقلاب میں سے وہ کون سا انقلاب ہے جس میں عوامی شرکت شدید سیاسی اور عسکری دباؤ کے باوجود اپنے عروج پر تھی۔ اس سوال کا جواب دینا اس لئے ضروری ہے کہ ہمیں کسی بھی انقلاب پر تجزیہ و تحلیل کرنے میں مدد ملے گی، اور اس سوال کے جواب کی روشنی میں کسی بھی انقلاب کو پَرَکھنے اور تولنے کا میزان ہمارے ہاتھ آجائے گا، نتیجتاً ہم باآسانی سمجھ سکیں گے کہ موردِ بحث تین انقلاب (روس، فرانس اور اسلامی انقلاب) میں وہ کون سا انقلاب ہے جس کے لئے راستہ ہموار تھا، انقلاب کے مراحل بھی دشوار نہ تھے اور جسکا کامیابی سے ہمکنار ہونا نسبتاً آسان تھا اور اس کے مقابلے میں وہ کون سا انقلاب ہے جس کے لئے شرائط بہت سخت اور دشوار تھیں اور کٹھن حالات کو طے کرتے ہوئے اپنی کامیابی کی نوید سنائی اور آج تک اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ اس تحقیق کے نتائج یہ ہیں کہ ان تینوں انقلاب میں سے انقلاب اسلامی ایران وہ واحد انقلاب ہے جسکا سامنا نسبتاً طاقتور سلسلے سے تھا، حالات بہت کٹھن تھے اور سیاسی اور عسکری طاقت اپنے عروج پر تھی اسکے باوجود عوامی شرکت کے لحاظ سے یہ انقلاب دیگر تمام انقلاب سے ممتاز دیکھائی دیتا ہے۔

کلیدی الفاظ: اسلامی انقلاب، تقابل، ایران، روس، فرانس

مقدمہ

ساری دنیا اور خصوصاً اسلامی دنیا کے ضعیف، کمزور اور پابرہنہ افراد جو اپنے بنیادی حقوق سے محروم کردیئے گئے ہیں اور ظالم حکومتوں اور سامراج کے ہاتھوں مظلوم واقع ہوئے ہیں، ان تمام ظلم و ستم کو سہنے کے باوجود لفظ انقلاب سے ابھی بھی پُر امید ہیں، اور دلی آرزو رکھتے ہیں کہ تعصّب سے بالاتر ہوکر دنیا بھر میں رونما ہونے والے بڑے بڑے انقلاب کو زیر بحث لایا جائے اور کامیاب ترین انقلاب کے تجربوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے اپنے معاشرے میں ظالم اور سامراجی حکومتوں اور ریاستوں کے خلاف انقلاب کی فضا ہموار کی جائے، یہ تحقیق ان لوگوں کے لئے امید کی ایک کِرن ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس تحقیق میں ان عناصر اور اسباب کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہےاجو سخت سیاسی حالات کے باوجود ایک انقلاب کی کامیابی کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں۔

اس موضوع کو انتخاب کرنے کی چند بنیادی وجوہات ہیں، ایک یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں انقلاب اور اس سے متعلق موضوعات پر تحقیقاتی کام نہ ہونے کے برابر ہے اور نہ ہی عوام الناس میں انقلاب سے متعلق خاطر خواہ آگاہی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام فہم لوگ ہر ایسی جماعت اور رہبر کے شانہ بشانہ کھڑے ہو جاتے ہیں جو انقلاب کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ اس عدم آگاہی کے پیش نظر ضرورت ہے کہ انقلاب کی درست تعریف اور اسکے مصداق سے درست آشنائی پیدا ہو۔ دوسری طرف جاننا ضروری ہے کہ کُرہ ارض کے ان تین نامور انقلاب یعنی: فرانسیسی انقلاب، روسی انقلاب اور اسلامی انقلاب ایران میں سے کون سا انقلاب، کس جہت سے دوسرے انقلاب پر فوقیت اور برتری رکھتا ہے، کس انقلاب کی تاثیر دیر پا ہے؟ اور ہمارے پاس وہ کیا معیارات ہیں جس کے ذریعے ہم چند انقلاب کو آپس میں موازنہ کر سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ اس بحث کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ہم انقلاب کے عناصر اور اسباب کو سمجھ سکیں گے، کہ کیسے ایک انقلاب برپا ہوتا ہے، انقلاب کی راہ میں رکاوٹیں اور آفات کیا ہیں؟ انقلاب کے خطرات کیا ہیں، اور کیسے ایک انقلاب خطروں سے عبور کرتے ہوئے کامیابی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔

انقلاب کی تعریف:

لفظ انقلاب جسے عربی میں 'ثورہ' اور انگریزی زبان میں (REVOLUTION) کہا جاتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے یہ عربی لفظ ہے جو قلب سے لیا گیا ہے جس کے معنی دل ہیں۔ اسی طرح قالب، قلوب، مقلّب، تقلیب وغیرہ سب الفاظ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ دل کو قلب اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اپنی حالت بدلتا رہتا ہے، یعنی مسلسل حرکت میں ہوتا ہے یا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف طرف حرکت کرتا ہے۔ بعض الفاظ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ابتدائی معنوں کے ہمراہ مختلف علوم میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ انہی الفاظ میں سے ایک لفظ انقلاب ہے، جو ستارہ شناسی، طب، اقتصادی اور اجتماعی علوم کے علاہ دیگر علوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا دیگر الفاظ کی طرح لفظ انقلاب بھی عربی لغت کے علاوہ سیاسی اور اجتماعی علوم میں رفتہ رفتہ استعمال ہونے لگا۔

البتہ علمِ اجتماع کی رو سے معاشرے میں آنے والی ہر تبدیلی کو انقلاب نہیں کہا جاتا، بلکہ اُس خاص معاشرتی تبدیلی کو انقلاب کہا جاتا ہے جو ناگہانی ہو، ایک ہی دفعہ میں تبدیلی ہو، ہمہ پہلو ہو (یعنی معاشرے کے تمام پہلوؤں میں تبدیلی کا مشاہدہ ممکن ہو)، اور اس تبدیلی کے پیچھے نظریہ یا آئیڈیالوجی کارفرما ہو اور یہ تبدیلی ایک نقشے کے تحت ہو۔

دوسرے الفاظ میں علوم جامعہ شناسی کی رو سے کسی بھی انقلاب میں تین خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے:

۱. ایسی حرکت جس کے پیچھے ارادہ اور ایک خاص ہدف کارفرما ہو
۲. اس حرکت کا مقدس اور طاقتور ہونا
۳. موجودہ حالت سے پوری طرح سے نارضایتی کا پایا جانا۔ (مطہری، پیرامون انقلاب اسلامی، ص ۸۲)

مختلف انقلاب کی پیمائش کے چند اہم معیارات:

کسی بھی معاشرے کی قدرت و طاقت کے چند اہم ستون ہوتے ہیں، مثلاً اُس ملک کا اقتصادی استحکام، عسکری اور فوجی طاقت، بین الاقوامی حمایت اور انتظامی امور کی باگ دوڑ، اجتماعی امور میں عوام کی شراکت اور حمایت، قیادت اور آئیڈیالوجی وغیرہ۔ یہاں اجتماعی طاقت سے ہماری مراد اس ملک کے بسنے والے لوگوں کے اعتقادات، رجحانات، تخیلات، مذہبی رجحانات، مشاغل، رسومات، فرہنگ، ثقافت اور اس قسم کی دوسری چیزیں ہیں۔

ایک نظریہ یہ ہے کہ جو سرزمین سیاسی قدرت کے لحاظ سے ضعیف ہو وہ سرزمین انقلاب کے لئے زیادہ ہموار ہوتی ہے۔ (چالمرز جانسون، تحول انقلابی: بررسی نظری پدیدہ انقلاب، ص ۴۶) البتہ اس نظریہ سے فقط جزئی طور پر اتفاق کیا جاسکتا ہے چونکہ فرانسیسی اور روسی انقلاب میں اس نظریہ کے درست ہونے کے شواہد دیکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس انقلاب اسلامی ایران میں چند دوسرے اسباب ہیں جو انقلاب میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

اگر ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ان تین انقلاب میں سے کون سا انقلاب اپنے اندر زیادہ توانائی اور طاقت رکھتا ہے تو ہمیں جاننا ہوگا کہ ان تینوں انقلاب کے مدمقابل جو حکومتی یا شہنشاہی نظام برسراقتدار تھا اُسکی ''سیاسی قدرت اور طاقت'' کس درجے کی تھی؟ یا دوسرے الفاظ میں انقلاب فرانس، روس اور انقلاب اسلامی ایران میں سے کس انقلاب کا سامنا سب سے زیادہ طاقتور سلسلے سے تھا؟ اگرچہ تینوں انقلاب بظاہر کامیابی سے ہمکنار ہوئے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تینوں کی کامیابی ایک ہی درجہ کی تھی بلکہ ان تینوں انقلاب کو مختلف معیارات پر پرکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ کون سا انقلاب دوسرے انقلاب پر برتری اور فوقیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ان 'تینوں انقلاب کے مدّمقابل کا طاقتور یا ضعیف ہونا' یہ وہ پہلا معیار ہے جن سے ہم ان تینوں انقلاب کی توانائیوں پر تجزیہ کرسکیں گے۔

سیاسی قدرت کا جائزہ:

جیسا کہ بیان ہوا کہ کسی بھی معاشرے کی سیاسی قدرت کے چار اہم ارکان ہیں: اقتصادی استحکام، عسکری اور فوجی طاقت، بین الاقوامی حمایت اور انتظامی امور میں مہارت۔ یہ چار بنیادی ارکان کسی بھی حکومت، بادشاہت یا ریاست کو مستحکم رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی حکومت کے ان چار بنیادی ارکان میں سے ایک یا چند ضعیف ہوجائیں وہ حکومت ایک متزلزل حکومت شمار ہوتی ہے اور ایسی سرزمین انقلاب کے لئے زیادہ زرخیز شمار کی جاسکتی ہے۔ پس نتیجتاً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاں سیاسی قدرت کے یہ چاروں ارکان مضبوط ہوں، ایسی سرزمین انقلاب سے نسبتاً کم سازگاری رکھتی ہے، اور ایسی سرزمین پر ایک انقلاب کا کامیابی سے ہمکنار ہونا اس انقلاب کے لئے ایک امتیاز شمار کیا جاسکتا ہے۔

ا. اقتصادی حالات:

سیاسی قدرت کاایک اہم رکن اقتصاد ہے۔اقتصاد کسی بھی حکومت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے،اور حکومتی نظام کی تقویت میں بے حد موثّر ثابت ہوتی ہے۔ جس ملک کی اقتصادی حالت مستحکم ہو اور جہاں مالیات اور حکومتی اخراجات کی عادلانہ تقسیم بندی ہو وہاں فقر اور غربت نسبتاً کم ہوتی ہے نتیجتاً ایسی حکومتوں کو لوگوں کی طرف سے کم دباؤکا سامنہ کرناپڑھتاہے۔ بہتر اقتصادی حالات کے دیگر اہم فوائد یہ ہیں کے حکومتی خزانے میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے، ملک کے زرعی اور صنعتی شعبوں میں رونق بڑھتی ہے، نتیجتاً حکومت کی سیاسی قدرت کو دوام حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ حکومت یا ریاست جس کی اقتصاد ضعیف ہو وہاں فطری طور پر انقلاب کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہیں اُس سرزمین کے مقابلے میں جہاں اقتصادی حالت مستحکم ہوں۔

فرانس

فرانسیسی انقلاب ۱۷۸۹میلادی میں آغاز ہوا۔ انقلابِ فرانس کامیابی سے ۵۰ سال قبل ہی اقتصادی اور مالی بحران سے دوچار ہوچکا تھا۔ ایک کے بعد ایک جنگیں، غذا اور غلّہ کی قلّت، خانہ جنگی اور قحط اس دوران اپنے عروج پر پہنچ چکے تھے۔) منوچھر محمدی، انقلاب اسلامی در مقایسہ با انقلاب روسیہ وفرانس ص۷٦ (تاریخِ فرانس کے اکثر محققین اس بات کااعتراف کرتے ہیں کہ فرانسیسی سلطنت کے سُقوط کے اصلی عوامل میں سے ایک انتہائی اہم عامل اقتصادی حالت کا ضعیف اور غیر مستحکم ہونا تھا۔ غذااور آٹے کی قلّت کا بحران اس قدر شدید تھاکہ باقاعدہ آٹے کی جنگ یا FLOUR WAR سے ایک تحریک کاآغاز ہوا جس میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ شدت آتی گئی اور نتیجتاً سلطنتِ فرانس کی سیاسی قدرت ضعیف ہوئی اور اسکے خلاف شورشوں میں اضافہ ہوا۔

روس

روسی انقلاب جو سن ۱۹۱۷م میں واقع ہوا، اس سرزمین میں اقتصادی بحران کی حالت کااندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ ایک مورخ کے بقول:

”سن (۱۹۱۱میلادی) سے زرعی پیداوار کے لحاظ سے روس کی حالت انتہائی مایوس کن تھی، قحط کی شدّت کا یہ عالم تھاکہ کسان جھاڑو میں استعمال ہونے والی ٹہنی کو اُبال کر بطور غذا استعمال کرتے تھے، اور لاعلاج بیماریاں ہر جگہ پھیل چکی تھیں۔“

(۳۹٦PG, 1HISTORY OF RUSSIAN SOVIET UNION BY KALISTOV AND OTHERS, VOL)

ایران

ایران کااسلامی انقلاب سن ۱۹۷۹م میں کامیاب ہوا، قبل از انقلاب شاہی حکومت اقتصادی لحاظ سے مستحکم اور قوی تھی، شاہ نے بین الاقوامی حمایت کی بنیاد پر غیر ملکی کمپنیوں کو ایران میں تجارت اور اقتصادی فعالیت کی اجازت دی، جس کے نتیجے میں

ایران کے اقتصادی حالات کچھ حد تک بہتر ہوئے، شاہی حکومت کی اصل درآمد کا ذریعہ تیل تھا، غیر ملکی کمپنیوں نے ایران میں تیل کے کنویں دریافت کیے اور ایران کا تیل اپنے ملک منتقل کرنے کے بدلے ایرانی شاہی حکومت کو خوب انعامات اور دیگر سہولیات سے نوازا۔ سن ۱۹۶۳ میں تیل کی پیداوار سے حاصل ہونے والی آمدنی ۴۵۰ ملین ڈالر تھی، جبکہ ۱۹۷۳ میں تیل کی آمدن بڑھ کر ساڑھے چار بلین ڈالر، اور سن ۱۹۷۷ میں تیل سے حاصل ہونے والی آمدن ۲۳ بلین ڈالر تک جا پہنچی تھی۔ (منوچہر محمدی، انقلاب اسلامی در مقایسہ با انقلاب فرانس و روس، ص۷۷) لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ انقلاب اسلامی کی کامیابی میں شاہی حکومت کے اقتصادی ضعف کا عنصر شامل نہیں۔

۲. فوجی اور عسکری طاقت:

کسی بھی سیاسی قوت کے لئے اُس کی مسلح فوج اور عسکری طاقت سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ فوج نہ صرف سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے بلکہ سیاسی قدرت کو داخلی طور پر بھی دوام دیتی ہے۔ ریاستی ادارے حکومت کے مقابلے میں سر اٹھانے والے گروہ، بغاوت، شورشوں اور مختلف تحریکوں سے نمٹنے کے لئے عام طور پر پلیس، حساس اداروں اور مسلح افواج سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اور انہی کی مدد سے اُن تحریکوں کو سرکوب کیا جاتا جو حکومت کے مقابلے میں سر اٹھانے کی کوشش کرتی ہیں، یا دوسرے الفاظ میں انقلاب کے شعلوں کو بجھانے کے لئے عسکری طاقت کا سہارا لیا جاتا ہے۔ عام طور پر چھوٹی، بڑی تمام حکومتیں اپنے سالانہ قومی بجٹ کا ایک بڑا حصہ فوجی اخراجات کے لئے مختص کرتی ہیں۔ لیکن اگر اقتصادی دباؤ یا دیگر وجوہات کی بنیاد پر حکومت، فوجی اخراجات سے صرف نظر کرے، یا حکومتی اور فوجی اداروں کے درمیان بعض وجوہات کی بنیاد پر اختلاف یا ٹکراؤ کی کیفیت پیدا ہو جائے پھر فوجی وفاداریوں میں ایک ایسی دراڑ پڑھنے کا خطرہ رہتا ہے جو انقلاب کے شعلوں کو جنم دے سکتا ہے۔

فرانس:

لوئیس ۱۵ (Louis ۱۵) کے زمانے میں فرانسیسی فوج نے چار بڑی جنگوں میں شرکت کی: پولینڈ کی جنگ (۱۷۳۳-۱۷۳۸) (War of the Polish Succession)، آسٹرین جنگ (۱۷۴۰-۱۷۴۸) (War of the Austrian Succession)، ہفت سالہ جنگ (۱۷۵۶-۱۷۶۳) (Seven Year's War) اور امریکہ کی آزادی کی جنگ (۱۷۷۵-۱۷۸۳) (War of American Independence)۔ آخری جنگ کا دائرہ یورپ سے بڑھ کر امریکہ اور ایشیا تک جا پہنچا اور اس جنگ میں فرانس کا بڑا علاقہ اس کی سلطنت سے باہر چلا گیا۔ دوسرے ممالک کے ساتھ فوجی شراکت کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوج کی افرادی قوت میں بے انتہا کمی ہوئی اور فوج کا جذبہ بھی ماند پڑھ گیا۔

حکومتِ فرانس نے نہ صرف ایک بھاری رقم آسٹرین فوج کو پیش کی، بلکہ اپنے دو لاکھ فوجی آسٹریا کے حوالے کئے لیکن اس کے باوجود نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور یوں فرانس کی سیاسی طاقت پر بھی منفی اثرات مرتب ہوئے۔

روس:

سن ۱۹۰۴ میں روس اور جاپان کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے ج کا سرانجام یہ ہوا کہ روس کو شکست کا سامنا ہوا جس سے فوجیوں کا مرال ضعیف ہوا۔ روسی عوام کی رائے کے مطابق روسی حکومت کی نااہلی کی وجہ سے جنگی شعلے بھڑکے یعنی اس جنگ کو شروع ہونے سے پہلے ہی روکا جاسکتا تھا۔ اسی طرح روس چونکہ فرانس کے ساتھ متحد تھا، لہٰذا پہلی عالمی جنگ میں بھی روس نے اپنے فوجی روانہ کئے، مناسب تیاری نہ ہونے کے باوجود روس اپنے فوجی بھیجنے پر مجبور تھا۔ دوسری طرف مدمقابل پر جرمنی اور اسکے اتحادی بہترین اسلحے سے لیس اور پوری آمدگی کے ساتھ میدان میں اترے تھے۔ نتیجتاً روس کو اس عالمی جنگ میں بڑے خسارے کا سامنا کرنا پڑا اور روس عقب نشینی پر مجبور ہوا۔ اس شرمناک شکست کے بعد روسی حکومت کو فوجی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، فوجی مخالفت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ یکم مارچ ۱۹۱۷ میں ۱۸۰،۰۰۰ فوجی روسی حکومت کے مقابلے میں کھڑے ہوگئے۔

ایران

فرانس اور روس کے برخلاف ایرانی افواج نے انقلاب سے قبل پچھلے پچاس برسوں میں کسی خارجی جنگ میں شرکت نہیں کی تھی اور ساتھ ہی شاہی حکومت نے فوجی وفاداری کی پائیداری پر خاص توجہ مرکوز کی ہوئی تھی، سالانہ بجٹ کا ۲۳ فیصد، اور بعض سالوں میں ۳۵ فیصد تک فوجی اخراجات کے لئے مختص تھا۔ اُس دور کی دو بڑی طاقتیں امریکہ اور روس تھیں جبکہ شاہی حکومت کا زیادہ تر جھکاؤ امریکہ کی طرف تھا، اور شاہی حکومت کی بھرپور کوشش یہ تھی کہ امریکہ کا اعتماد حاصل کیا جائے۔ بلاخر بادشاہ ایران امریکہ سے اپنی وفاداری ثابت کروانے میں کامیاب ہوگیا اور نتیجتاً ایران کو پورے مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات کی چوکیداری کا عہدہ نصیب ہوا۔ امریکہ نے شاہی حکومت کو مضبوط کرنے اور اس خطے پر ایران کی بالادستی کے لئے شاہی حکومت کی بھرپور پُشت پناہی کی، شاہی افواج جسکی تعداد ایک لاکھ تھی وہ بڑھ کر پانچ لاکھ تک جا پہنچی، امریکہ نے ایران کے لئے جدید اسلحے کے ڈھیر لگادیئے، اور ایرانی افواج کو بہترین عسکری تربیت دی۔ ۱۹۵۰ سے ۱۹۷۰ کے درمیان شاہی حکومت نے ۱۴۷ ملین ڈالر کی مالیت کا اسلحہ اور جنگی تدارکات خریدے۔ اور یہ رقم ۱۹۷۱ سے ۱۹۷۹ کے درمیان بڑھ کر ۲۰ بلین ڈالر تک جا پہنچی۔ یوں ایران سب سے زیادہ اسلحہ درآمد کرنے والا پہلا ملک قرار پایا۔

دوسری طرف حکومتِ شاہ کی خفیہ فوج ساواک جو اسرائیل کی خفیہ ایجنسی موساد کی تربیت یافتہ تھی۔ ساواکی شکنجے اور بے رحمی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اس خفیہ پلیس نے بڑے بڑے شاہی مخالفین کو راستے سے ہٹانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور شاہی حکومت سے اپنی وفاداری کا حق ادا کیا۔

۳۔ بین الاقوامی حمایت:

دنیائے سیاست میں یہ ممکن نہیں کہ ایک ملک بین الاقوامی تعلقات، اہم دفاعی اور تجارتی معاہدوں، مختلف نوعیت کے روابط اور خصوصی تعلقات سے بے نیاز ہو۔

فرانس:

فرانس نے چار خارجی جنگوں میں اپنے فوجی دوسرے خطوں میں روانہ کئے لہٰذا فرانس کے لئے کسی غیر جانبدار ملک سے دوستانہ روابط قائم کرنا نسبتاً دشوار تھا۔ دوسری طرف فرانس کے پاس نہ صرف یورپ کے مختلف حصوں، بلکہ یورپ سے باہر دوسرے خطّوں میں بھی اپنی بڑی بڑی کالونیاں موجود تھیں۔ ان کالونیوں کی مدد سے دوسرے ممالک کے امور میں مداخلت اور تنازعات ایجاد کرنے میں بھی فرانس پیش پیش تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس کے بین الاقوامی تعلقات دوسرے ممالک کی نسبت ضعیف ہوئے۔

روس:

جیسا کہ بیان ہوا کہ روس کو پے در پے شکست کا سامنا کرنا پڑا، جس سے عوام اور فوج دونوں میں حکومت کی نسبت عدم اعتمادی کی فضا پیدا ہوئی۔ ان دو جنگوں کے درمیان روس میں سیاسی استحکام نہ تھا، اور اسی طرح اس درمیان بہت سی حکومتی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سیاسی حالات میں عدم استحکام کا نتیجہ بین الاقوامی حمایت سے محرومی کی صورت میں سامنے آیا۔

ایران

جیسا کہ بیان ہوا، شاہی حکومت اس خطے میں امریکی مفاد کی چوکیداری پر مامُور تھی، دوسری طرف امریکہ نے ایران کو مضبوط کرنے کے لئے مالی اور عسکری تعاون کئی گناہ بڑھا دیا تھا۔ نتیجتاً ایران خطے کے تمام ممالک کے سامنے ایک عظیم طاقت کے طور پر متعارف تھی۔ تمام ممالک سے بہترین تعلقات ہونے کے ساتھ ساتھ امریکہ اور اسرائیل سے خصوصی تعلقات بھی قائم تھے۔

۴۔ انتظامی امور میں مہارت:

سیاسی قدرت کا چوتھا اور اہم رکن انتظامی اور سیاسی امور میں مہارت اور تدبیر ہے۔ سیاسی قدرت کو دوام بخشنے کے لئے یہ عنصر بہت اہمیت کا حامل ہے، اگر ایک حکومت ہر طرف سے مضبوط ہو، یعنی اقتصادی استحکام، عسکری اور فوجی طاقت اور بین الاقوامی حمایت یافتہ ہو، لیکن سیاسی امور میں تدبیر، مدیریت اور درست حکمت عملی کا عنصر موجود نہ ہو تو اس حکومت کی نابودی کو کسی صورت نہیں روکا جاسکتا۔

فرانس

لوئیس ۱۶ (Louis ۱۶) کا شمار فرانس کے اُن بادشاہوں میں ہوتا ہے جو فضول خرچی اور دولت کے بے جا مصرف میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھے۔ اسکے علاوہ برّ صغیر اور کینیڈا میں موجود وسیع و عریض فرانسیسی کالونیاں غلط حکمت عملی کی وجہ سے انکے ہاتھوں سے چلی گئیں۔ لوئیس ۱۶ طاقت کے غرور میں خود کو فرانس کا تنہا فرد تصور کرتا تھا جو سوائے خدا کے کسی کے سامنے جواب دہ نہیں: ایک جگہ وہ کہتا ہے:

''یہ تاج خدا نے مجھے دیا ہے، قانون بنانے کا حق صرف مجھے حاصل ہے اور اس حق میں، میں کسی کا تابع اور شریک نہیں ہوں۔'' (آلبر مالہ وژول ایزاک، تاریخ قرن ۱۸، وانقلابِ فرانس، ص ۲۸)

استبدادی سلسلے کی حاکمیت اور انتظامی امور میں کمزوری وہ دلائل تھے جس کی بنیاد پر روس کی سیاسی قدرت ضعیف ہوئی۔ اجتماعی گروہوں نے حکومتی کمزوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جوانوں اور دانشوروں کو اپنی طرف جلب کیا، اور نتیجتاً حکومت کی اطاعت سے منصرف کردیا، اور حکومت اس جہت سے مزید کمزور پڑھ گئی۔ ایک روسی وزیر کے بقول:

''انقلاب سے پہلے، حتی بڑے طبقات بھی حکومت کے مخالف ہو چکے تھے، مختلف عوامی اجتماعات، کلب اور بڑے بڑے ہال میں حکومت کے خلاف کھل کر تنقید اور نفرت آمیز لہجہ اپنایا جاتا تھا۔ حکومتی سربراہوں، حتی صدرِ روس کے نام پر لطیفہ اور مختلف مزاحیہ شعر بنائے جاتے تھے۔'' (کرین برینون، کالبد شکافی چھار انقلاب، ص ۶۲)

ایران:

شاہ ایران سیاسی تدبیر کے لحاظ سے منفرد شخص تھا۔ شاہ نے اپنے ماتحت کام کرنے والوں اور فوجی سربراہوں کو اس طرح سے تربیت دی تھی کہ انہیں صرف شاہ کے حکم کی بجاوری کرنی ہے اور کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہونا۔ حکومتی اعلیٰ عُہدوں کی تقسیم فقط اس بنیاد پر کی جاتی تھی کہ منصب حاصل کرنے والا ہمیشہ بادشاہی نظام اور صرف شاہ سے وفادار رہے گا۔ دوسری طرف ساواک (خفیہ پلیس) جو اسرائیل کی تربیت یافتہ تھی، اسکے ذریعے خفیہ معلومات جمع کرنا، مخالفین پر کڑی نگاہ رکھنا، مخالف تحریکوں کو سرکوب کرنا، بڑی بڑی تحریکوں کے رہبروں کو راستے سے ہٹانا ان تمام امور میں شاہ کی مہارت تھی۔ تیسری جانب ایسی خارجہ پالیسی اپنائی کہ دوسرے ممالک سے اچھے تعلقات برقرار کئے اور خصوصاً امریکہ اور اسرائیل کا اعتماد حاصل کیا۔

جمع بندی:

مذکورہ بالا عناصر سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ فرانس اور روس کی سرزمین انقلاب سے قبل، آنے والے انقلاب کے لئے زرخیز اور تیار تھی، کیونکہ ان دونوں خطوں پر ایک متزلزل اور ضعیف سیاسی قدرت حاکم تھی۔ اور بیان ہوا کہ جس سرزمین پر مقتدر حکومت کی سیاسی قدرت ضعیف ہو اس کی مثال ایک گرتی ہوئی دیوار کی سی ہے، جسے معمولی سی شورش، تحریک، بغاوت یا انقلاب کا شعلہ نابود کرنے کے لئے کافی ہے۔

اسکے مقابلے میں سرزمینِ ایران میں انقلاب سے قبل سیاسی قدرت اپنے عروج پر تھی اور شاہی حکومت ایک مستحکم اور ہر پہلو سے قوی حکومت شمار کی جاتی تھی (جس کے نمونے بھی بیان کیے گئے)۔ لہٰذا ہم نتیجہ لے سکتے ہیں کہ انقلابِ روس اور فرانس کے برخلاف اسلامی انقلابِ ایران کے لئے شرائط دشوار اور سخت تھیں۔ اسلامی انقلابِ ایران کا اس لحاظ سے برتر اور منفرد ہونا واضح اور روشن ہے، یعنی ایک ایسے بادشاہی نظام کے مقابلے میں یہ انقلاب برپا ہوا جو اندر سے مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی طور پر پوری طرح حمایت یافتہ تھا۔

اعتراض

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اگر مان لیا جائے کہ فرانس اور روسی انقلاب کے برخلاف اسلامی انقلاب سے پہلے ایران کا شاہی نظام اپنی پوری سیاسی قدرت کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا تو پھر ایسی سرزمین پر کیسے انقلاب برپا ہوا؟ بظاہر ایسی سرزمین سخت شرائط کے سبب انقلاب کے لئے سازگار دیکھائی نہیں دیتی ہے۔ آیا بیان ہونے والے عناصر کے علاوہ دیگر اسباب اور عوامل بھی دخیل ہیں جو انقلاب کے شعلوں کو ہوا دینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتے ہوں؟

جواب:

جیساکہ ابتداء میں بیان ہوا تھا کہ کسی بھی معاشرے کے دو بنیادی ستون ہوتے ہیں، ایک اسکی سیاسی قدرت اور دوسری اجتماعی قدرت۔ یہ بات درست ہے کہ فرانسیسی اور روسی انقلاب میں سیاسی قدرت کا ضعیف ہونا ایک بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اسلامی انقلابِ ایران کی کامیابی میں جو عنصر سب سے زیادہ موثّر تھا وہ معاشرے کی اجتماعی قدرت اور طاقت تھی، اور یہ اجتماعی قدرت اس قدر طاقتور اور موثّر تھی کہ اس نے بڑی طاقتور اور ناقابل شکست سیاسی قدرت پر غلبہ پایا۔

اب ہم اجتماعی طاقت اور اسکے تین بنیادی ارکان کا جائزہ لیں گے، اور سمجھیں گے کہ اجتماعی طاقت کیسے ایک انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتی ہے، اور ساتھ ہی اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں گے کہ اجتماعی طاقت کے آثار فرانسیسی اور روسی انقلاب میں کس سطح پر تھے؟

اجتماعی عناصر کا جائزہ

جب کسی ملک کی سیاسی قدرت عوام کے مطالبات کو پورا کرنے سے عاجز ہو جائے یا دیگر وجوہات کی بنیاد پر اس کام کے لئے آمادہ نہ ہو، تو اجتماعی گروہ، ایسے رہبر اور قائد کی تلاش شروع کر دیتے ہیں جو انہیں انکے مطالبات میں درست راہنمائی کر سکے۔ یوں سیاسی قدرت اور اجتماعی قدرت ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجاتی ہیں۔ اجتماعی طاقت کے تین بنیادی ارکان یہ ہیں:

۱. لوگوں کی شراکت اور حمایت

۲. قیادت

۳. آئیڈیالوجی

۱. لوگوں کی شراکت اور حمایت

فرانس:

سن ۱۷۶۳ سے ۱۷۷۰ کے درمیان بادشائے فرانس اور اسکی پارلمان کے درمیان بادشاہی اختیارات پر تنازعات شروع ہوئے، پارلمانی ممبران اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کرنے لگے، دوسری طرف فرانس کا اقتصادی بحران شدت اختیار کر چکا تھا، لہٰذا بادشائے فرانس نے ان ممبران کو مجبوراً نظر انداز کیا۔ یوں نتیجتاً ایک کہ بعد ایک ممبرانِ پارلمان نے استعفے دینا شروع کیے اور ایک نئے بحران نے جنم لیا۔ ان ممبران نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے شورشیں اور بغاوتیں شروع کیں۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے، کہ یہ انقلاب عوامی انقلاب نہیں تھا در حقیقت شاہ اور پارلیمانی ممبران کے ٹکراؤ سے شروع ہوا اور مالی بحران کی وجہ سے اس میں شدت آئی۔ (آلبر مالہ وژول ایزاک، تاریخ قرن ۱۸ و انقلابِ فرانس، ص ۳۷)

روس:

جیسا کہ بیان ہوا کہ روسی فوج کی پہ در پہ شکست کے بعد، فوجی مرال پست ہو چکا تھا اور یہ باعث بنا کہ حکومت اور فوج میں چپقلش شروع ہوئی اور ایک وقت ایسا آیا کہ فوج کی ایک کثیر تعداد نے حکومت کے خلاف قیام کیا۔ دوسری طرف اقتصادی بحران کی وجہ سے کارخانوں میں کام کرنے والوں کو حقوق سے محروم کر دیا گیا، یوں اس نظام کے خلاف تحریک میں مزید تیزی آئی، اور یہ تحریکیں انقلاب کی طرف بڑھنے لگیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ معاشرے کے تمام طبقات نے اس انقلاب میں شرکت نہیں کی تھی، اور یہ انقلاب خالصتاً عوامی انقلاب شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ایران

وہ چیز جو انقلاب اسلامی ایران کو دیگر تمام انقلاب سے ممتاز کرتی ہے وہ اس انقلاب کا خالصتاً عوامانہ ہونا ہے، جس میں معاشرے کے ہر طبقے اور خصوصاً پابرہنہ، مستضعفین، اور کمزور لوگوں نے بھرپور شرکت کی۔ اور اسکی بڑی وجہ اس انقلاب کا دین سے وابستگی ہے۔ یہ انقلاب اس جہت سے منفرد تھا کہ اس انقلاب نے خالصتاً دینی بنیادوں پر لوگوں کو متحرک کیا اور

گھروں سے نکالا۔ شاہ ایران، سرزمین ایران کو مغربی طرز اور فرہنگ پر اُستوار کروانا چاہتا تھا اور یہی عوام اور شاہ کے درمیان اختلاف کی بنیادی وجہ بنا۔ اس کام کے لئے شاہ نے حجاب پر پابندی لگائی اور اپنی مخصوص پلیس کے ذریعے خواتین کو حجاب اتارنے پر مجبور کیا۔ اسکولوں اور کالجوں میں اسلامیات اور قرآنی تعلیمات کو ختم کروایا، علماء اور بزرگ مجتہدین کی حرمت کو پامال کیا، حتی علمائے دین کو اپنا مخصوص لباس پہننے کی اجازت نہ تھی۔ اسی طرح برائی اور فساد کے مراکز اور شراب خانے مختلف علاقوں میں عام کروائے۔ پیشرفت اور ترقی کے نام پر ایک قوم کی ثقافت، فرہنگ اور اسلام سے وابستگی کو کمرنگ کرنے کی کوششیں کیں۔

یہ وہ مسائل تھے جو عام لوگوں کے لئے قابل قبول نہیں تھے کیونکہ ایرانی عوام اپنے دین و مذہب سے شدید عقیدت رکھتے تھے اور دینی مسائل میں کسی غیر کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے۔ اور اس قسم کی سیاست ایران جیسے معاشرے کے لئے قطعاً سازگار نہ تھی، نتیجتاً عوام نے بھرپور انداز سے اس شاہی نظام کے خلاف قیام کیا۔

۲۔ قیادت

قیادت اجتماعی طاقت کا ایک اور اہم رکن ہے، جو انقلاب کو مخصوص اصولوں پر گام زن رہنے میں مدد دیتی ہے اور اسی کے گرد تمام طبقات متحد ہوتے ہیں۔ قیادت کا ایک اہم ہدف انقلاب کو آئیڈیالوجی سے ہم آہنگ رکھتے ہوئے اس کے خط پر رکھنا اور آگے لے کر بڑھنا ہوتا ہے۔ ایک قیادت کا بابصیرت ہونا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

فرانس:

جیسا کہ بیان ہوا اس انقلاب میں عوامانہ شرکت اُس سطح کی نہیں تھی، اور یہ انقلاب مخصوص اشرافیہ نے ایک ضعیف حکومت کے خلاف برپا کیا اور اس میں کامیاب ہوئے۔ ان اشرافیہ میں اورلین ڈیوک (DUKE OF ORLEANS) اور میرابو (MIRABEAU) شامل ہیں۔

روس:

چونکہ اس انقلاب میں اہم کردار فقط کارخانے کے ملازمین اور فوجی جانبازوں کا تھا لہٰذا ان کا کوئی مخصوص اور مشخص قائد نہیں تھا۔ یوں مختلف گروہ قیادت کے دعویدار بنے۔ البتہ مشہور یہ ہے کہ ''لینن'' (LENIN) کی تعلیمات سے بھرپور استفادہ کیا گیا تھا۔

ایران:

اسلامی انقلاب میں اصل قیادت علماء اور روحانی پیشوایان کی تھی، ایران کے اسلامی انقلاب میں مرکزی قیادت آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ نے سنبھالی تھی، اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ واحد انقلاب تھا جس میں سیاسی قیادت کے لحاظ سے عوام کے اندر کوئی تنازعہ یا اختلاف موجود نہیں تھا اور سب کے سب ایک قیادت پر متفق تھے۔
امام خمینیؒ ایک سید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے دینی مرجع اور مجتہد تھے۔ انقلاب کی تحریک کا آغاز انہوں انقلاب کی کامیابی سے ۱۵ سال قبل کیا تھا۔ حکومتِ شاہ نے کئی بار انہیں جلاوطن کیا اور بلاخر ۱۵ سال کی جلاوطنی کے بعد انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

۳۔ آئیڈیالوجی

فرانس:

فرانسیسی انقلاب میں لبرل ازم (روشن فکری) کا رنگ بے حد نمایاں تھا۔ اور اس طرزِ تفکر میں دین کی تعریف یہ ہے کہ ''فقط خدا اور بندے کا انفرادی رابطہ''۔ یعنی انسان کی زندگی کا انفرادی شعبہ دین سے مربوط ہے، لیکن اجتماعی شعبہ مثلاً سیاست، اقتصاد، اجتماعی مسائل، تعلیم، ثقافت اور اسی طرح دیگر شعبوں میں دین کو حق حاصل نہیں کہ اظہارِ نظر کرے۔

روس:

سن ۱۹۱۷ میں بظاہر کسی خاص آئیڈیالوجی کا تصور دیکھنے میں نہیں آتا، لیکن انقلاب کی کامیابی کے بعد اور حکومت کی تشکیل کے دوران روسی انقلاب کا ثمرہ لادینیت اور کمیونسٹ پارٹی کی صورت میں آتا ہے، جو دین اور اور اسکے پیروکاروں کو معاشرے میں برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ اس اعتبار سے یہ طبقہ روشن فکر اور لبرل طبقے سے بڑھ کر دین کا مخالف تھا۔

ایران:

انقلابِ اسلامی ایران کی کامیابی میں جس چیز نے سب سے زیادہ اہم کردار ادا کیا وہ اسلامی نظریہ یا آئیڈیالوجی تھی۔ بیسویں صدی کے اواخر میں رونما ہونے والا یہ انقلاب ایک ایسے زمانے میں واقع ہوا جب نامور دانشور اس بات کو باور کر چکے تھے کہ

'' انسان کی زندگی میں دین ایک افیون سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ جسے استعمال کرکے انسان صرف مست ہو سکتا ہے۔ یہ انسان ہے جس نے دین کو ایجاد کیا ہے، نہ یہ کہ دین نے انسان کو بنایا ہے۔'' (آندرہ پیتر، مارکس و مارکسیسم، ص ۲۶۲)

اکثریت ایمان لاچکے تھے کہ دین اپنے اندر اتنی صلاحیت نہیں رکھتا کہ آج کے دور کے انسان کی ضرورتوں کو پورا کرسکے، اور بشر کو زندگی گذرانے کے لئے ایک جامع اور کامل نظام فراہم کرسکے، جو ایک طرف مقدس بھی ہو اور دوسری طرف عقلی اور منطقی اصولوں کے عین مطابق ہو اور تیسری طرف تجربات اور اجتہاد کا بھی منکر نہ ہو۔ مشرق و مغرب کے تقریباً

تمام دانشور قطعِ نظر اس سے کہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان، اس بات کا اعتراف کر چکے تھے کہ دین کے پاس آج کے انسان کے لئے ایک کامل اور جامع نظامِ زندگی موجود نہیں ہے۔ بیسویں صدی کو ٹیکنالوجی کی صدی کہا گیا اور یہ صدائیں بھی گوش و کنار سے سننے میں آئیں کہ آج کا انسان اپنے فکری بلوغ تک پہنچ چکا ہے مثلاً چاند پر قدم رکھ چکا ہے۔ لہٰذا انسان اپنے فکری بلوغ کے بلبلوطے پر اپنے لئے، اپنے معاشرے کے لئے اور ساری دنیا کے لئے نظام وضع کر سکتا ہے۔ اور اسے اس کام کے لئے مقدس تعلیمات اور خدا کی ضرورت نہیں۔

اس تاریک ماحول میں جب بشر دین کی طرف سے بالکل نا امید ہو چکا تھا، ایسے میں انقلاب اسلامی کی صورت میں روشنی کی ایک کرن کُرہ ارض کے ایک ایسے خطے میں دیکھائی دیتی ہے جو کسی کہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ سخت سیاسی حالات اور ایک طاقتور شہنشاہی قدرت جس کی سیاسی طاقت کے چرچے دنیائے سیاست میں مشہور ہوں، اس کا تختہ پلٹ کر انقلاب اسلامی نمودار ہوتا ہے۔ وہ چیز جو اس انقلاب کو دوسرے انقلاب سے منفرد اور ممتاز کرتی ہے، یا جو چیز دوسرے انقلاب میں دور دور تک دیکھائی نہیں دیتی وہ اس انقلاب کا دینی بنیادوں پر استوار ہونا ہے۔ اس بات کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ شرکائے انقلاب کے مطالبات اور شعار یہ نہیں تھے کہ حکومت روٹی، کپڑا اور مکان سستا کرے اور فقط لوگوں کی مادّی ضروریات فراہم کی جائیں۔ اگرچہ انہیں ان تمام چیزوں کی حاجت تھی لیکن انقلابیوں کے مطالبات یہ تھے کہ ہمیں ایک ایسی سرزمین چاہیئے جہاں اسلام حکومت کرے، اسلامی قوانین کا نفاذ معاشرے پر ہو، اسلامی اقدار کی بالادستی ہو، طبقاتی نظام میں امیر اور غریب کا فرق ختم کیا جائے۔ ایسے نظام سے چھٹکارا ملے جہاں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جائیں۔ جہاں شرک و کفر و طاغوتی طاقتیں ذلت کے ساتھ ہمارے ملک سے باہر جائیں۔ ہمیں ایک ایسے معاشرے کی ضرورت ہے جہاں قرآن و سنت کے دیئے ہوئے اصول ہماری راہنمائی کریں، ہمیں ایسی اسلامی حکومت کی ضرورت ہے جو دین و دنیا دونوں میں ہمارے لئے سعادت کا باعث بنے۔

انقلابِ اسلامی کے نظریے اور آئیڈیالوجی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمان کسی صورت ظلم کے مقابلے میں خاموش نہیں رہیں گے، یہ نظریہ ایسے حکمرانوں کو بھی برداشت نہیں کرتا جو استعماری اور سامراجی طاقتوں کے مفادات کی چوکیداری کریں۔ اس نظریہ کا شعار یہ ہے کہ تمام مسلمان (قطع نظر اس سے کہ وہ شیعہ، سنی، بریلوی، حنفی، دیوبندی یا کسی دوسرے فرقے سے تعلق رکھتے ہوں) سب آپس میں بھائی ہیں اور سب کے سب ایک جسم کے مختلف اعضاء ہیں، کہ اگر جسم کا ایک حصہ بے چین ہو تمام اعضاء بے چین ہو جاتے ہیں۔ اس نظریے کے پیروکاروں کا فریضہ یہ ہے کہ استعماری دشمن جو مسلمانوں کی سرزمین اور انکے قدرتی، مالی اور جانی وسائل پر قبضہ کئے ہوئے ہیں اور تمام ملت اسلامیہ کو غلام بنائے ہوئے ہیں، انکے مقابلے میں صف آراء ہوں اور ان کی نابودی کے لئے کوششیں کریں، اور استعماری حکومتوں کے نوکروں اور چوکیداروں کو اپنے ملک سے باہر نکالیں۔

درحقیقت اسلامی آئیڈیالوجی یا اسلامی نظریہ میں اتنی طاقت موجود ہے کہ جو انسان کو تمام تر دشوار حالات کے باوجود استقامت اور ڈٹے رہنے میں مدد دیتی ہے۔ایک نظریاتی انسان جو درست اسلامی آئیڈیالوجی سے سرشار ہو،اس کے عزم و ارادے ایسی فولادی دیوار کی طرح ہوتے ہیں، جسے طاقتور ہتھیار،اور کسی ایٹم بم سے بھی تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔اور آج ہم اس کا عملی نمونہ دیکھ سکتے ہیں۔اور یہی انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے رموز ہیں۔اسی ارادی قوت کے بارے میں ایک شاعر کے بقول:

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
طوفانی خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

نتیجہ :

ہم نے ثابت کیا کہ فرانسیسی اور روسی انقلاب میں جو چیز انقلاب کی کامیابی کا پیش خیمہ بنی وہ برسرِ اقتدار حکومتوں کی ضعیف سیاسی قدرت تھی۔ اور ان دونوں انقلاب کی کامیابی میں بنیادی کردار بعض اشرافیہ طبقوں اور فوجی افسروں کا تھا، یعنی عوام سے اس انقلاب کا بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں تھا، البتہ عوام کے بعض طبقات نے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان تحریکوں میں شمولیت اختیار کی۔ لیکن انقلاب اسلامی ایران میں ہم نے ثابت کیا کہ برسرِ اقتدار شاہی حکومت کی سیاسی قدرت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھی، لیکن اسکے باوجود اجتماعی طاقت یعنی وہی اسلامی آئیڈیالوجی نے اس انقلاب کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور بغیر کسی اسلحہ کے سیاسی قدرت پر غلبہ پالیا۔

حقیر کے نزدیک آنے والے محققین کو آئندہ تحقیق کے لئے جس موضوع کو زیرِ بحث لانے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ کیسے استعماری طاقتیں ایک آئیڈیالوجی کی طاقت سے سرشار انقلاب کو دوسری قوم کے لئے نمونہ عمل بننے سے روکتی ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں کیسے ایک اسلامی انقلاب کو دوسری سرزمینوں پر پھلنے پھولنے سے روکا جاتا ہے اور اسے دوسری ملتوں کے لئے ناقابلِ عمل بنایا جاتا ہے۔

کتابیات :

۱. جانسون، چالمرز، تحول انقلابی: بررسی نظری پدیدہ انقلاب، ترجمہ حمید الیاسی، تہران، امیر کبیر، ۱۳۶۳

۲. محمدی، منوچھر، انقلاب اسلامی در مقایسہ با انقلاب روسیہ و فرانس، قم، دفتر نشر معارف، ۱۳۹۱

۳. مطہری، مرتضی، پیرامون انقلاب اسلامی، قم، دفتر انتشارات اسلامی، ۱۳۵۹

۴. کلنل والتر، تاریخ روسیہ از پیدایش تا ۱۹۴۵، ترجمہ نجف قلی معنوی، تہران، انتشارات کمیسیون معارف، ۱۳۳۸

۵. مالہ، آلبر، وژول ایزاک، تاریخ قرن ھیجدھم، وانقلاب کبیر فرانس، ترجمہ: رشید یاسمی، تہران، سپہر، ۱۳۶۴

۶. بریتون، کرین، کالبد شکافی چھار انقلاب، ترجمہ: محسن ثلاثی، تہران، نشر نو، ۱۳۶۲

۷. مطہری، مرتضی، خدمات متقابل ایران و اسلام، قم، صدرا، ۱۳۵۷

۸. کالیستوف، د۔ پ۔، و دیگران، تاریخ روسیہ شوروی، دو جلد، ترجمہ: حشمت اللہ کامرانی، تہران، بیگوند، ۱۳۶۱

۹. دینکین، ژنرال، تاریخ طغیانھای روسیہ، بی جا، بی نا، بی تا

۱۰. طاھری خرم آبادی، حسن، ولایت فقیہ و حاکمیت ملت، قم، دفتر انتشارات اسلامی، ۱۳۶۲

۱۱. پیتر، آندرہ، مارکس و مارکسیسم، ترجمہ شجاع الدین ضیائیان، تہران، دانشگاہ تہران، ۱۳۵۸

انگریزی منابع: HISTORY OF RUSSIAN SOVIET UNION BY KALISTOV AND OTHERS

ویب سائٹ منابع: HTTP://URDUSEEK.COM/DICTIONARY/REVOLUTION

HTTPS://WWW.ALMAANY